قیادت کا اسلامی معیار

مولانا عبدالغفار حسن صاحب

(۲)

قیادت کا ایجابی معیار اس سلبی معیار کے بعد قیادت کے ایجابی معیار کے لئے کتاب وسنت کی جو تصریحات ملتی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

(۱) واذ ابتلی ابراھیم سابقہ کا مدعا یہ ہے کہ منصب قیادت کے اہل وہ ہیں جو ہر قربانی اور ایثار کے لیے تیار ہوں۔ اپنے نصب العین کیخاطر ہر قسم کے جانی مالی خطرہ کو انگیز کرنے پر آمادہ ہوں۔ جو تمام آزمائشوں میں ثابت قدم رہے ہوں۔

(۲) ان خیر من استاجرت القوی الامین	بیشک جنہیں آپ ملازم رکھیں ان میں بہتر وہ ہے
(پ ۲۰ سورہ قصص آیت ۲۶)	جو صاحب قوت اور امانت دار ہو۔

اسلام میں حاکم اور خلیفہ کی حیثیت مسلمانوں کے اجیر اور ملازم سے زیادہ نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ دھوپ میں کھڑے ہوئے صدقے کے اونٹوں کا حلیہ قلمبند کرا رہے تھے حضرت علی نے آپکی اس مشقت ومحنت کو دیکھتے ہوئے فرمایا یہ آیت تو آپ پر صادق آتی ہے۔ "ان خیر من استاجرت القوی الامین" (ابن سعد)

غالباً اسی آیت سے استنباط کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

الولایۃ لھا رکنان القوۃ والامانۃ فالقوۃ	حکومت کے دو ستون ہیں قوت اور امانت، حکم و
فی الحکم ترجع الی العلم بالعدل بتنفیذ الحکم	فیصلہ میں قوت کے معنی یہ ہیں کہ عدل وانصاف اور
والامانۃ ترجع الی خشیۃ اللہ (الاختیارات العلمیۃ ۹۱)	قانون کے نفاذ کا علم ہو اور امانت کی بنیاد یہ ہو کہ سینہ اللہ کے ڈر سے بھرپور ہو۔

آیت سے معلوم ہوا کہ محض دیانت وامانت ہی کافی نہیں ہے بلکہ جو منصب سونپا گیا ہے اس کے فرائض کو ادا کرنے کی صلاحیت بھی ضروری ہے۔ اسی کو یہاں قوت سے تعبیر کیا گیا ہے اور حضرت طالوت کے واقعہ

میں اسے زیادۃً فی الجسم کہا گیا ہے۔ کیونکہ سپہ سالاری اور فوج کی کمان کیلئے جسمانی وجاہت زیادہ موزوں ہے۔ اور اسی مفہوم کو سورہ یوسف میں (انی حفیظ علیم) کے پیرایہ میں ادا کیا گیا ہے۔

(۳) وجعلناهم أئمة يهدون بأمرنا وأوحينا إليهم فعل الخيرات وإقام الصلوٰة وإيتاء الزكوٰة وكانوا لنا عابدين (پ ۱۷، سورہ الانبیاء)

اور ہم نے ان (انبیاء کرام) کو رہنما بنایا ہمارے حکم کے ساتھ رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے انہیں بھلائیوں کے کرنے، اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔

(۴) إنهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خاشعين (پ ۱۷ سورۃ الانبیاء)

بیشک وہ (انبیاء کرام) نیکیوں میں سبقت کرتے رہتے اور ہمیں خوف وطمع سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے آگے جھکنے والے تھے۔

(۵) وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون (پ ۲۱ سورہ سجدہ)

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں سے قائد و رہنما بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

(۶) اتبعوا من لا يسئلكم أجرا وهم مهتدون (پ ۲۰ - سورہ یٰسین)

پیروی کرو ان کی جو تم سے (تبلیغ کے لئے) اجرت طلب نہیں کرتے اور وہ راہ یاب ہیں۔

ان آیات سے صالح قیادت کے مندرجہ ذیل اوصاف معلوم ہوتے ہیں۔ انہی اوصاف کی روشنی میں مسلمانوں کو آئندہ اپنے قائدین کا انتخاب کرنا ہوگا۔

(۱) ہدایت یافتہ ہونا (۲) حکم الٰہی کے مطابق رہنمائی (۳) نیکیوں میں سبقت (۴) عاجزی اور انکساری کے ساتھ رب کی غلامی اور عبدیت کا اعتراف (۵) خدا کے حضور خوف و طمع کے ساتھ پکار (۶) آیات الٰہی پر یقین (۷) صبر (۸) دین حق کی اشاعت، انسانیت کی خدمت محض رضائے الٰہی کیلئے اور اجرت و مزدوری سے بے نیازی (۹) نماز کا قیام (۱۰) اداء زکوٰۃ۔

ان دس اوصاف میں سے کوئی بھی وصف ایسا نہیں ہے جو تشریح طلب ہو۔[۱]

[۱] صبر کے مفہوم کی مختصر وضاحت کر دی جاتی ہے۔ جسے قیادت کے اوصاف میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اسکے بغیر کوئی لیڈرشپ کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔ صبر کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ مصیبتوں اور صدموں کے موقعہ پر زبان و اعضاء کو آہ و زاری اور سینہ کوبی سے بچایا جائے بلکہ یہ اپنے وسیع تر مفہوم اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جذبات و خواہشات پر پورا پورا قابو، اشتعال انگیز مواقع پر ضبط نفس، جلد بازی، گھبراہٹ، خوف و ہراس، طمع اور بے موقع جوش سے اجتناب، خطرات و مشکلات کی برداشت، نیم پختہ اور سرسری تدابیر اور دنیوی لذتوں اور آسائشوں میں انہماک سے پرہیز۔

(۲) وآتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء (پ البقرہ آیۃ ۲۵۱) — اور اللہ نے اس (داؤد علیہ السلام) کو ملک اور حکمت بخشی اور جو چاہا اسے سکھایا

اس آیت میں صالح قیادت کے دو وصف بتائے گئے ہیں۔

علم یعنی دین و شریعت کی معرفت، حکمت، یعنی احکام الٰہی کے عملی نفاذ کی بصیرت، انتظام ملک کی صلاحیت، وقت کے فتنوں سے واقفیت اور ان پر مؤثر اور مدلل تنقید کی استعداد!

یہاں یہ بھی واضح ہے کہ جو قیادت دین سے واقف ہو لیکن وقت کے تقاضوں اور فتنوں سے بے خبر ہو وہ زیادہ دیر تک حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتی بہر حال اُسے پسپا ہونا پڑے گا۔ اور وقت کی دوسری تحریکیں اس پر غالب آ کر رہینگی۔ اپنے دور کی باطل تحریکات سے باخبر رہنے کی اہمیت خود قرآن حکیم سے واضح ہے:-

کذلک نفصل الآیات ولتستبین سبیل المجرمین (پ سورۃ انعام آیۃ ۵۵) — اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کی راہ واضح ہو جائے

یعنی مسلمانوں کو بالعموم اور انکے اکابر کو بالخصوص دنیا کی غلط کار قوموں کے اصول و مسائل اور تہذیب و سیاست کا بھی پورا پورا علم ہونا چاہیئے، لیکن نہ اس لئے کہ ان کی نقل اتاری جائے بلکہ اس لئے کہ انکے غلط طریقوں کا توڑ کیا جائے۔

انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم	بس مسجدوں کے آباد کار وہی لوگ ہیں جو اللہ
الآخر واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ ولم یخش	اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نماز قائم اور زکوٰۃ
الا اللہ فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المھتدین	ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہیں ڈرتے
اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام	پس توقع ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔ کیا
کمن آمن باللہ والیوم الآخر وجاھد	تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی آبادکاری
فی سبیل اللہ لا یستوون عند اللہ	کو اللہ یوم آخرت پر ایمان لانے اور جہاد فی سبیل اللہ
واللہ لا یھدی القوم الظالمین۔	کے برابر ٹھہرا دیا ہے، اللہ کے ہاں برابر نہیں ہو سکتے اور
(پ ۱۰ سورہ توبہ آیت ۹)	اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔

عمارت مسجد کے دو مفہوم ہیں (۱) نماز اور ذکر الٰہی سے آباد کاری (۲) مساجد کی تولیت یا سبانی (مفردات راغب صفحہ ۳۵۳)

اس دوسرے مفہوم کے لحاظ سے مساجد کی تولیت کا حق سوائے صالحین کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسلام میں سیاست دین ہی کا ایک جزو ہے اس لئے جو لوگ مساجد کے متولی ہو سکتے ہیں انہی کو شرعاً یہ حق

پہنچتا ہے کہ وہ زمامِ قیادت کو سنبھالیں ملک وملت کے مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کریں۔ اور نظم ونسق کی مشینری کو ہدایت الٰہی کے مطابق مستحکم ومضبوط بنائیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام کی ایک عبادت گاہ کے انتظام کو سنبھالنے کے لئے قرآن کی نگاہ میں نااہل ہوں وہ آخر ایک اسلامی حکومت کا انتظام سنبھالنے کے اہل کہاں سے ہو گئے۔ اسلامی حکومت تو ایک پورے خطۂ ارضی کو عبادت گاہ بنا دینے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

ان آیات میں مسجد کی تولیت کی مندرجہ ذیل نشانیاں بتلائی گئی ہیں:۔

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان۔ اقامتِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ۔ خدا کے سوا ہر ایک کے خوف سے خالی ہونا، جذبۂ جہاد فی سبیل اللہ۔ ساتھ ہی یہاں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ چند سطحی اور نمائشی کاموں سے قوم کی نمائندگی اور قیادت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ قریش مکہ اسی کو بہت بڑی دینداری اور مسجد حرام کی خدمت سمجھتے تھے کہ حج کے موقع پر لوگوں کو پانی پلا دیا جائے اور مسجد کی رونق میں برہنہ بدن طوافوں اور تالیوں سیٹیوں سے اضافہ کر دیا جائے۔ آج بھی قیادت کے فرائض میں چند نمائشی اور ہنگامی کام رہ گئے ہیں۔ کسی خاص دن میں غربا ومساکین کو کھانا کھلا دینا، جلوس نکالنا اور مظاہرے کر لینا۔ افطار کے موقع پر توپیں داغ دینا، کسی خاص شہر میں تین مدت کے لئے شراب کی حرمت کا اعلان کرنا۔ اس قسم کے اعمال سے اسلام کے اصل تقاضے نہ اب پورے ہو سکتے ہیں اور نہ کبھی پہلے پورے ہوئے۔

(۱) وما لھم الا یعذبھم اللہ وھم یصدون عن المسجد الحرام وما کانوا اولیاءہ ان اولیاءہ الا المتقون (الانفال آیت ۳۴)

اور انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ اور وہ لوگ اس کے متولی نہیں ہو سکتے اس کے متولی تو صرف متقی ہی ہیں۔

جو لوگ تقوے اور خدا ترسی سے خالی ہیں نہ وہ اللہ کے گھر کے متولی ہو سکتے ہیں! ورنہ وہ اسلامی حکومت کے محافظ اور پاسبان بن سکتے ہیں۔

خشیت الٰہی اور تقویٰ کو قیادت وانتخاب کے معیار میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اخلاص وبے غرضی

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عبد الرحمٰن لا تسأل الامارۃ فانک ان اعطیتھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امارت (حکومت وفرمانروائی) مت طلب کرو اگر تمہیں یہ سوال کی بنا پر ملی تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے

عن مسئلة وُکلت الیھا وان اُعطیتھا عن غیر مسئلة اُعنت علیھا۔ (کتاب الاحکام بخاری مع فتح الباری مصری ج ۳ صـ۱۲۰ و صحیح مسلم ج ۲ کتاب الامارہ صـ۱۲۰)	(یعنی نصرت الٰہی شامل حال نہ ہوگی) اور اگر بغیر کسی سوال کے حکومت ملی تو خدا کی طرف سے اعانت ہوگی۔
(۱۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا واللہ لا نولی علی ھذا العمل احد اسئلہ او احدا حرص علیہ (صحیح مسلم ج ۲ کتاب الامارہ صـ۱۲۰)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم بخدا یہ منصب حکومت کسی ایسے شخص کے حوالے نہیں کر سکتے جو اس کا طالب یا حریص ہو۔

ان روایات نے انتخاب کی نہایت واضح کسوٹی پیش کر دی ہے جو لوگ عہدہ و منصب کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ممبری اور وزارت کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں وہ یقیناً قوم کی نمائندگی کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کبھی کسی معاملہ میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی روش صریحاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی ہے اور ایسوں کو منتخب کرنا یا ووٹ دینا بھی نبی صلعم کے فیصلے کو ماننے سے انکار کرنا ہے۔

اسلام میں امیدواری کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ خلوص و دیانت حسن عمل اور صلاحیت کار کی بنا پر ملتا ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسی بستی ہے جہاں فساق و فجار کا مجمع ہے، صلاحیت کار کسی میں نظر نہیں آتی اور اس بات کا صاف اندیشہ ہے کہ ان میں سے اگر کوئی اوپر آگیا تو بدی کو مزید فروغ حاصل ہوگا اور نیکی پسپا ہوتی چلی جائیگی تو ایسی صورت میں ایک صالح انسان کو اجازت ہے کہ وہ اپنا نام اور صلاحیت خود عوام اور بااثر طبقہ کے سامنے پیش کر دے، اور ان کا اعتماد حاصل کرتے ہوئے فساق و فجار کو اقتدار کی مسند کی طرف بڑھنے سے روک دے لیکن یہ جنگ اور یہ مقابلہ نیکی اور بدی، حق اور باطل کے درمیان ہوگا۔ ایسے موقع پر، قومی، گروہی اور قبائلی عصبیت بھڑکانے کی قطعاً اجازت نہ ہوگی۔ اسکی تائید حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے۔

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (پ ۱۳۔ سورہ یوسف)	مجھے زمین کے خزائن پر مقرر کر دو، میں محافظ اور صاحب علم ہوں ؛

اس قسم کے مواقع پر اقتدار پرستوں کی طرف سے "ہوسِ اقتدار" اور "دکانِ قیادت چمکانے" کے آوازے بھی کسے جاتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ جب کبھی بھی دعوتِ حق اٹھی ہے تو اس کا راستہ روکنے کیلئے پرستارانِ حکومت اور حامیانِ باطل نے اسی قسم کے ہتھکنڈے اختیار کیئے ہیں، اور حق پرستوں کو بدنام کرنے کے لئے اسی نوع کے الزام تراشے ہیں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعوتِ حق کو ناکام بنانیکے لئے فرعون نے یہی حربہ استعمال کیا تھا۔

قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه آباءنا و تکون لکما الکبریاء فی الارض وما نحن لکما بمؤمنین (پ ۱۱۔ سورہ یونس۔ آیت ۷۸)

فرعونیوں نے کہا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اور کیا تمہیں زمین میں بڑائی حاصل ہو جائے، اور ہم تو تمہاری بات ماننے والے نہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ صالح قیادت بھی اقتدار، بڑائی اور سربلندی کے لئے جدوجہد کرتی ہے اور فاسق قیادت بھی لیکن اول الذکر کی ساری کوشش خالقِ ارض و سماء کے اقتدار اور اس کے قانون کی سربلندی کے لئے ہوتی ہے نہ کہ اپنی ذات یا پارٹی کے مفاد کے لئے۔ اسکے برعکس غیر صالح قیادت کی ساری جنگ ذاتی اغراض یا قبائلی اور گروہی مفاد کیلئے ہوتی ہے۔ اس نمایاں فرق کو محسوس کیئے بغیر مخلص صالح قیادت اور خود غرض فاسق قیادت کے مابین امتیاز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ صالح لوگوں کو اوپر لایا جا سکتا ہے۔ ظلم و عدوان بھری دنیا میں اگر کوئی شخص عدل و انصاف کے قیام کیلئے آگے بڑھتا ہے، اور فسق و فجور کی طاقتوں پر غالب آکر عدل و انصاف قائم کر دیتا ہے تو ایسا شخص خدا کے ہاں ثواب سے محروم نہیں رہ سکتا۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من طلب قضاء المسلمین حتی ینالہ فغلب عدلہ جورہ فلہ الجنۃ ومن غلب جورہ عدلہ فلہ النار (ابوداؤد کتاب القضاء بین الاسلام ج ۲ ص ۱۴۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسلمانوں کا محکمہ قضا طلب کیا یہاں تک کہ اسمیں کامیاب ہو گیا اور اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب آ گیا تو اس کے لئے جنت ہے اور جس کا ظلم عدل پر حاوی ہو گیا تو اس کیلئے آگ ہے۔

مذکورہ بالا تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس باب میں اصل ضابطہ یہی ہے کہ عہدہ و منصب کیلئے امیدواری، دوڑ دھوپ، اور جوڑ توڑ جائز نہیں ہے، لیکن ساتھ ہی بعض ناگزیر اور مخصوص حالات میں صالحین کیلئے منصب پر قبضہ کرنیکی کوشش کا جواز بھی نکلتا ہے، بشرطیکہ وہ کوشش ان تمام آلائشوں اور گندگیوں سے پاک ہو جن کہ آج کے عہد میں ہر امیدوار ملوث نظر آتا ہے۔